سفر نامہ نگاری کے جدید خدوخال

محمد فیصل شہزاد☆

Mordern features of Travelegue Writing

Muhammad Faisal Shahzad

Abstract:
The importance of travel and travel memoir has been emphasized in this article. Allah Almighty has made man the explorer of everything and man travels afar to fulfill his desire. The importance of such travels has been discussed; how travel memoir began and what changes it went through; which of the travel memoirists took part in the journey from old to modern writing. The aim of modern travel memoir has been discussed. MehmoodNizami and AkhtarRiazud din gave out the modern structure of the travel memoir and IbnInsha beautified it with humour. The significance of modern travel writing has been highlighted in this article as we find a beautiful combination of scenic depiction and descriptive components. New authors have made the modern travel writing a mirror of cordial sentiments and and emotions.

Key words:
Travelogue, narration, modern, travelogue, short story, Novel

کلیدی الفاظ:

سفر نامہ، روداد، جدید سفر نامہ، افسانہ، ناول

اللہ رب العزت کا احسان عظیم ہے، کہ اُس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور علم و

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، پنجاب کالج جوہر ٹاؤن، لاہور

حکمت کی محبت اس کے دل میں پیدا کی ،اس محبت کے حصول کے لیے وہ ہمیشہ سر گرداں رہا ہے انسان اس جوہر نایاب کو پانے کے لیے عمر گزار دیتے ہیں۔ علم و حکمت کے فیض کو حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے علمی اداروں کا رخ کرتے ہیں، دور دراز کے اسفار کرتے ہیں، تاکہ علم کی دولت کو حاصل کر سکیں۔

انسان کے سفر کرنے کی ایک وجہ اس کی تنوع پسندی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو متجسس بنایا ہے۔ وہ جس ماحول میں رہتا ہے، اس کی یکسانیت سے اکتا جاتا ہے، اسی وجہ سے وہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف حرکت کرتا ہے۔

سفر کا سلسلہ انسان کے جد امجد حضرت آدمؑ سے شروع ہوا، جب انھوں نے جنت سے زمین کا سفر کیا۔ تب سے لے کر آج تک انسان سفر میں ہے۔ اسی لیے ارشاد ربانی ہے۔ "سیر وفی الارض" تم دنیا کی سیر کرو۔ قرآن کریم میں انبیاء کے اسفار کا بھی ذکر ملتا ہے، اس لیے آپ کہہ سکتے ہیں، کہ سفر کی روداد کا اظہار یا سفر کا بیان خود اللہ تعالیٰ کا بیان ہے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ تک اور حضرت موسیٰؑ سے لے کر حضرت یوسف تک بیش تر انبیاء نے اس دنیا میں سفر کیے، اس لیے سفر کی حقیقت مسلم ہے۔

اسفار کے لیے غرض و غایت کا ہونا بھی ضروری ہے، تاکہ ہر چیز کا مقصد واضح ہو سکے۔ انسان نے دنیا کے مختلف اسفار کیے، جن میں پانی، خشکی، ہوا اور خلا کے سفر شامل ہیں۔

حضرت آدمؑ کا آسمان سے زمین کی طرف اور آخر الزمان نبی حضرت محمد ﷺ کا زمین سے آسمان کی طرف سفر جسے اللہ تعالیٰ نے معراج النبی ﷺ کہا ہے۔ یہ وہ روحانی اور جسمانی سفر ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے نے تمام خلائی حد بندیوں کو عبور کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اس سفر کا سب سے پہلا اظہار ہمیں قرآن پاک میں ملتا ہے۔

> "وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرد اگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا، تاکہ ہم اُسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔"(1)

اسی طرح ہجرت مدینہ بھی ایک ایسا ہی سفر ہے، جو مشکلات و مصائب سے امن و آشتی کی طرف گامزن تھا۔ ہر انسان اپنے دامن میں سفر کے کئی کئی پہلو رکھتا ہے۔ دیکھا جائے تو انسانی

زندگی میں سفر کی ضرورت اور اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ کرۂ ارض پر رہتے ہوئے انسان نے اپنے سفر کے لیے مختلف آلات ایجاد کیے، تاکہ سفر کی تکلیف اور شدت کو کم کیا جا سکے۔ انسان نے مشکلات اور تکلیفوں میں بھی سفر کرنا نہیں چھوڑا۔

حرف، لفظ، جملہ، مضمون یا کتاب انسان کے لیے مشعل کی طرح ہوتے ہیں جس سے انسان روشنی حاصل کرتا ہے۔ اس روشنی کی جستجو کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر انسان کو علم کے ساتھ ساتھ دوسری بہت سی معلومات سے بھی روشناس کراتا ہے۔ سفری داستان، روداد، سیاحت نامہ، آنکھوں دیکھا حال سفر نامہ کہلاتا ہے۔ سفر نامہ ایک ایسی صنف ادب ہے جو جغرافیائی، تاریخی اور ثقافتی صورت حال کے ساتھ ساتھ مشاہدات، احساسات اور حقیقتِ حال کو بیان کرتی ہے۔

پتھر کے زمانے سے لے کر آج ٹیکنالوجی کے دور تک انسانوں نے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کیا اور سفر کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس کو قلم بند بھی کیا۔ کبھی اپنی خواہش پر تو کبھی دوسروں کی خواہش پر مختلف سفر نامے وجود میں آئے۔ اسی لیے سفر نامے کو آنکھ، زبان، تخیل اور احساس کی لفظی رنگت اور قاری کی تسکین کا مرقع کہا جاتا ہے۔ سفر نامے میں دو خوبیاں قاری کو سرور کی بلندیوں تک لے جاتی ہیں۔ ایک شوق سیاحت اور دوسری نظر بینی، با علم اور ذوقِ تماشا رکھنے والا سفر نامہ نگار، منظر کشی سے صحیح اور سچی تصویروں کو منصہ شہود پر لاتا ہے۔

سفر نامہ کہانی کو جنم دیتا ہے اور اس میں افسانوی عنصر داستان کی دیوی کو جگا دیتا ہے جو انسان میں کہانی کی محبت پیدا کرتی ہے جس سے آنکھوں کے مشاہدات دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ گویا سفر نامہ ایک ایسی تحریر ہے جس میں رپورتاژ، روزنامچہ، مکتوب، داستان اور افسانہ جیسی اصناف کا ذائقہ موجود ہے اس لیے بعض ناقدین سفر نامہ کو اُم الاصناف بھی قرار دیتے ہیں۔ سفر نامہ کے دو بنیادی محرکات "قدم" اور "قلم" ہیں۔ جن لوگوں کو قدم اور قلم پر دسترس تھی، آج اردو ادب میں اُن کے سفر نامے زندہ ہیں۔

اردو سفر نامے کو ہم دو ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ قدیم دور یوسف خان کمبل پوش سے شروع ہوتا ہے۔ اس سفر نامے میں وہ عناصر نظر آتے ہیں جو ایک داستان کو بیان کرتے ہیں۔ یوسف خان نے جسمانی سطح پر سفر کیا اور سفر کی غرض وغایت اور احوال کو بیان کیا۔ اگر دیکھا جائے

تو قدیم سفر نامہ نگاروں نے عام سطح پر رہتے ہوئے، ملک کی جغرافیائی کیفیت کو میکانکی اعتبار سے بیان کیا۔ان سفر ناموں میں طبعی حالات، جغرافیائی خدوخال، آبادی کے اتار چڑھاؤ اور باسیوں کے طرز بودوباش کو بیان کیا گیا مگر ان میں بہت سی حقیقتوں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ان سفر ناموں میں صرف معلومات ہی معلومات تھیں جس کو دیکھتے ہوئے، سفر نامہ نگاروں نے قدامت سے نکل کر جدت کا سفر طے کیا اور جدید سفر نامہ کی طرح ڈالی۔ڈاکٹر تحسین فراقی بیان کرتے ہیں:

> "جہاں تک جدید اردو سفر نامہ نگاری کا تعلق ہے۔ اس میں آپ کو گائیڈ بکس والی تفصیلات بہت کم ملیں گی۔ یہاں تاریخ اور جغرافیہ سفر نامے میں اوپر سے ڈالی ہوئی چیزیں معلوم نہیں ہوں گی۔ بل کہ سفر نامے کے وجود کا حصہ بن کر آئیں گے اور آپ کے لیے یہ بتانا تقریباً ناممکن ہو گا کہ سفر نامہ کہاں ختم ہوا اور جغرافیہ، تاریخ کہاں شروع ہوئے، جدید سفر نامہ نگار منظر کو دیکھتا ہی نہیں اس کے اندر بھی اترتا ہے اور یوں اپنے احساسات، تاثرات اور جذبات بیان کرتا ہے۔"(2)

جدید سفر نامہ جزئیات پر مبنی ایسی تحریر ہے جس میں معلومات تاریخ کے ساتھ جُڑی ہوتی ہیں تہذیب و تمدن، طبعی حالات، طرز بودوباش، واقعات اور منظر نگاری کو ایسے ادبی ڈھب سے بیان کیا جاتا ہے، جس میں زبان و بیان کی چاشنی اور تخیل کی رنگینی موجود ہو جو طبع کی روانی کا باعث ہو۔

جدید سفر ناموں میں خواجہ احمد عباس کا سفر نامہ "مسافر کی ڈائری" اور آغا محمد اشرف کے سفر نامے، "لندن سے آداب عرض" اور "دیس سے باہر" میں ایسے عناصر ملتے ہیں جو روایت سے جدیدیت کی طرف گامزن ہیں۔ آغا محمد اشرف کی متلاشی نظروں نے سفر نامے کو لطف اور سرور سے مزین کیا ہے۔ جذبات سے لبریز اسلوب نے سفر نامے کی لطافت میں مزید اضافہ کیا ہے۔یہ سفر نامے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس کے بعد محمود نظامی کا "نظر نامہ" ہے۔ جس میں جدید سفر نامہ نگاری کے خدوخال نظر آتے ہیں۔ نظر نامے میں محمود نظامی نے فرانس، امریکہ، کیوبا، سوئٹزرلینڈ، میکسیکو، لندن، روم، مصر، لبنان اور بہاماس کے جزائر کو ایک سچے سیاح کے انداز میں دیکھا اور بیان کیا۔ محمود نظامی نے نہ تو ان ممالک کے مقامات کو تفصیل کیا، نہ ہی

مقامات کی حالات سازی کی اور نہ ہی اعداد و شمار میں پڑے۔ اُنھوں نے سفر نامے کو سفر نامہ بنانے کی سعی کی ہے نہ کہ گائیڈ بک ہر شہر سے ایک دلی وابستگی پیدا کی ہے جس کا عکس اُن کی تحریر میں عیاں ہے۔ لکھتے ہیں:

"یہ ایک حقیقت ہے، جہاں میں اس سفر میں بہت سے شہروں سے گزرا ہوں، وہاں کئی شہر ایسے بھی تھے جو خود میرے دل سے گزرے تھے۔"(3)

محمود نظامی نے سفر نامے میں فلیش بیک کی تکنیک کو استعمال کیا ہے جو سفر نامے کو جدت کی طرف لے کر جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے تاثرات کو پوری ہمت سے اور جزئیات کو پوری قدرت سے بیان کیا ہے۔ محمود نظامی کی جزئیات نگاری، منظر کشی اور دل کش اسلوب نے "نظر نامہ" کو جدید سفر نامہ میں اعلیٰ درجے تک پہنچا دیا ہے۔ محمود نظامی نے اپنے جذبات کو زبان دیتے ہوئے بے اختیار یہ کہا:

"کتنا حسین نظارہ ہے۔۔ لندن کی کیا بات ہے؟۔۔ کیا فضا سے لندن کا منظر ہمیشہ اس قدر دلفریب ہوتا ہے؟۔۔ میں نے اسے ہمیشہ ایسا ہی دلکش پایا ہے، لندن اور اس کے مناظر کبھی نہیں بدلتے۔"(4)

محمود نظامی نے لندن شہر کی خصوصیت کو دریافت کیا ہے، جو سفر نامے میں حقیقت کا روپ لیے ہوئے، قاری کو منظر کے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں۔ سفر نامے کی اہمیت کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"کتاب معلومات کی فراہمی کا عمدہ وسیلہ ہے اور کسی ملک کی جغرافیائی، تاریخی اور فکری خزینوں کو تمام جزئیات کے ساتھ پیش کرنے پر قادر ہے۔"(5)

محمود نظامی کے بعد بیگم اختر ریاض الدین نے جدید سفر نامے کی روایت کو مزید تقویت دی "سات سمندر پار" اور "دھنک پر قدم" لکھ کر جدید سفر نامے کی راہ ہموار کر دی۔ بیگم اختر ریاض الدین ایک پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ علم و آگہی کی وجہ سے ان میں نیم رومانی فکر بھی عروج پر ہے۔ ان سفر ناموں میں انھوں نے ماسکو، لندن، نیویارک، لینن، ٹوکیو، قاہرہ، ہانگ کانگ اور

ہوائی کو طائرانہ انداز میں نہیں، بل کہ ہر منظر کو عمیق نظری سے دیکھا ہے۔ انھوں نے تمام مناظر کی جزئیات کو قابل قدر انداز میں بیان کیا ہے۔ انھوں نے بھی فلیش بیک کی تکنیک استعمال کرتے ہوئے، سفر نامے کو اذہان پر نقش کر دیا ہے۔

بیگم اختر ریاض الدین نے سفر نامے کو ایک ایسی صنف ادب بنا دیا ہے، جس میں نہ صرف تاریخ اور مقامات کا احوال درج ہے، بل کہ سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات بھی درج ہیں۔ وہ سحر انگیز منظر کشی کے ذریعے قاری کو اس قدر ورطہ حیرت میں ڈالتی ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے، کہ اگر یہ منظر نظر نہ آتا تو نہ جانے کیا ہو جاتا!

بیگم اختر عورت کے جسم کا غلط استعمال برداشت نہیں کرتیں، وہ عورت کی عصمت اور پاکیزگی کی دعویدار ہیں۔ اُن کو یورپ کی عریانی اور بے راہ روی بھی کھٹکتی ہے۔ وہ جاپان کی صنعتی ترقی کے بھی خلاف ہیں، وہ سمجھتی ہیں کہ جاپان کے حسن کو وہاں کی صنعت نے تباہ کر دیا ہے۔ اُن کے سفر ناموں میں تفصیلات بڑی بے تکلفی سے کھلتی چلی جاتی ہیں۔ وہ معنی خیز اور کٹیلے الفاظ استعمال کرتی ہوئی قاری کو سرور سے ہم کنار کرتی ہیں۔ اُن کے ہاں نسوانیت کا صحیح اظہار بھی نظر آتا ہے۔ وہ ایک گرہستن ماں ہونے کے ناطے امور خانہ داری کا بھی ذکر کرتی ہیں۔

> "جاپانی کھانا عموماً دیکھنے میں عمدہ اور سننے میں اس سے بھی اچھا ہوتا ہے۔۔۔ انگریز ہمارے لیے دو "بہترین" روایتیں چھوڑ گئے۔ ایک ڈپٹی کمشنر دوسری لپٹن چائے۔۔۔ ٹیم پورہ میں جھینگے بہت پسند کیے جاتے ہیں، ہمارے لیے یہ کوئی نئی چیز نہ تھی۔ بالکل پھیکے پکوڑے جیسا مزہ تھا۔"(6)

بیگم اختر ریاض الدین کی نظر میں بلا کا تحرک ہے۔ وہ تخلیقی نگاہ سے منظر کشی کرتی ہوئی، فطرت کے حسن کو ایک شاعر کی طرح بیان کرتی ہیں۔ منظر کی چھوٹی چھوٹی جزئیات کو خوبصورتی سے چنتی ہوئی کینوس پر مصور کرتی چلی جاتی ہیں۔

> "بحری فوج کی عمارت سرسوں کی طرح بسنتی، گرجوں کے گنبد آفتابوں کی طرح طلائی، ہر عمارت کا رنگ جُدا ہے۔ معلوم ہوتا ہے قوس قزح نے اپنے رنگ سمیٹ کر اس شہر کے خمیر میں گندھوا دیئے ہیں اور سب سے دلربا پگھلے سیسے کی طرح چمکتا ہوا دریائے نیوا ہے جو موسم کی طویل مدہوش کن

نیند میں خوابوں کے لالہ زاروں سے گزرتا ہوا، بیتے دنوں کی یادیں پیئے

ہوئے، پاؤں پسارے دراز ہے۔"(7)

اُنھوں نے سفر نامے میں معنوی رعایتوں کا استعمال پورے جمال سے کیا ہے۔ بیگم اختر ریاض الدین کے ہاں وہ اسلوب ہے جو مزاح کی آمیزش کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔"سات سمندر پار" کے انتساب سے پتا چلتا ہے کہ میاں کو دورے رہتے تھے اور بیگم کو دورے پڑتے تھے۔ جس سے اُن کا سفر نعمت بنتا گیا اور جب انھوں نے بچشم خود ان ملکوں کو دیکھا تو حقیقت بیان کرنے سے گریز نہیں کیا۔ وہ منظر تک محدود نہیں رہیں، پس منظر کی گہرائیوں میں بھی اُتری ہیں۔ بیگم اختر ریاض الدین اِن سفر نامہ نگاروں میں سے ہیں جن کو قدرت نے مناظر کو کاغذ پر اُتارنے کا سلیقہ عطا کیا۔ اُن کے سفر ناموں میں رنگینی، لطافت، خوبصورتی، شوخی، داستان کی آمیزش اور حیرت پائی جاتی ہے۔ اُن کے جملوں میں مرصع کاری اور فنکارانہ آراستگی اپنے درجہ کمال پر ہے۔ ان کے اسلوب میں طنز کی تیز دھار اور مزاح کی نرمی بھی موجود ہے۔ اُنھوں نے سفر نامہ کے اسلوب کو ایک شبنمی انداز اور شگفتہ بیان سے ہم کنار کیا ہے۔ انھوں نے اپنے تاثرات کو ایک گہرے اسلوب میں گوندھ کر بیان کیا ہے۔

قدیم سفر ناموں میں مقامات کی تخصیص تھی، وہ بیگم اختر ریاض الدین کے سفر ناموں میں نہیں ملتی۔ اُن کے سفر ناموں کی ایک خوبی جزئیات کا بیان ہے جو اُن کے سفر ناموں کو ذیلی ابواب میں تقسیم کرتا ہے: ان ذیلی ابواب کو الگ الگ پڑھا جائے تو یہ تب بھی ایک مکمل سفر نامہ ہیں اور اگر اکٹھا کر لیا جائے، تو یہ اس صورت میں بھی ایک مکمل سفر نامہ نظر آتا ہے۔ ہر ٹکڑا پورے سفر نامے کا لطف دیتا ہے۔ تشبیہات، استعارات اور نئی تراکیب نے بیگم اختر ریاض الدین کے سفر ناموں کو ممتاز مقام عطا کیا ہے۔

سفر نامہ نگاری ایک سنجیدہ تخلیقی عمل ہے، مگر ہر سفر نامہ نگار اپنے ذہنی رویے کے لحاظ سے مختلف انداز میں اس کا اظہار کرتا ہے۔ اگر سفر نامہ نگار زندگی کی ناہمواریوں اور حماقتوں میں شامل ہو کر اس کو اپنی نظر سے منعکس کرے، تو سفر نامہ ایک شگفتہ تحریر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ابن انشا نے علمی اور معلوماتی سفر ناموں کے بوجھل پن سے نکل کر سفر نامے کو مزاح اور فطری شگفتگی سے ہم کنار کیا ہے۔ اُنھوں نے اپنی شگفتہ طبیعت کے جوہر سفر نامے میں دکھائے اور سفر نامے کو معلومات کے ساتھ یوں ہم آمیز کیا، کہ اب اس کے بغیر سفر نامے کا تصور محال نظر آتا ہے۔ اُنھوں نے سفر نامے کو عبارت کی رنگینی، اسلوب کی بے ساختگی، الفاظ کی برجستگی، بیان کی سادگی اور محاورے کی عمدگی سے غنچہ بنا دیا ہے۔

اُن کے سفر نامے "چلتے ہو تو چین کو چلیے"، آوارہ گرد کی ڈائری"، دنیا گول ہے"، "ابن بطوطہ کے تعاقب میں" میں جدید سفر نامے کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اُنھوں نے اپنے منفرد اسلوب سے سفر نامے کو پُر کاری اور گل کاری سے مزین کیا ہے۔ اُنھوں نے اپنی برجستگی اور بے ساختگی سے نثر کو مسکراہٹوں سے لبریز کیا ہے۔

ابن انشا سفر نامہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ اُن کی شاعری کا رسیلہ پن اُن کی نثر میں بھی جھلکتا ہے۔ وہ نثر میں قافیہ پیمائی کرتے ہوئے، مترنم نثر کو تحریر کرتے ہیں، جس سے قاری مسرت اور لطف حاصل کرتا ہے۔ بہ طور مثال یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> "ہم نے سعدی کو ہمیشہ اپنا رفیق اور دوست سمجھا اور شاید یہ داخلی رفاقت اور دوستی تھی، جس سے یہ حال ہوا۔ بار بار خیال آتا تھا یہی نواح ہوں گے، جن میں ہمارا شیخ سیر کرتا تھا، گھومتا پھرتا تھا اور پھر لوگ یہاں اس کا جنازہ لائے ہوں گے۔ یہ وہی ہے یہ وہی شیراز ہے۔ یعنی وہی پہنائی ہے، جس سے بچپن سے غائبانہ آشنائی ہے، یقین نہ آتا تھا۔ شیخ کے مزار سے رخصت ہونے کو جی نہ چاہتا تھا۔ اُٹھتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے۔ حافظ کے مزار پر قطعاً یہ کیفیت نہ تھی وہاں ہم خالی گئے اور خالی آئے۔"(8)

"آوارہ گرد کی ڈائری" میں ابن انشا نے بہت گہرا تاثر چھوڑا ہے۔ انھوں نے تنقیدی شعور اور باریک بینی سے سفر نامے کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا ہے۔ ان کی ظرافت میں منظر نگاری اور جزئیات نگاری کے بیش قیمت مرقعے نظر آتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> "کمرہ نمبر 8، ڈربی ہوٹل۔ ڈربی کے نام پر ہم گھوڑے کی طرح ہنہنائے۔ اپنے سوٹ کیس پر دولتی جھاڑی۔ دروازے کے اندر ایک نوٹس بھی لٹکا تھا کہ اس کمرے میں تین آدمی رہیں تو 78 فرانک دیں۔ دو رہیں تو 70 فرانک اور ایک آدمی ہو تو فقط 66 فرانک۔ ہم نے غنیمت جانا کہ ہم ایک آدمی ہیں ورنہ 78 فرانک دینے پڑتے۔"(9)

یہی شگفتہ بیانی ابنِ انشا کا طرۂ امتیاز ہے۔ انھوں نے معاشرے کی ناہمواریوں پر بھی لطیف پیرائے میں طنز کیا ہے۔ طنز و مزاح کے عناصر ان کے سفر ناموں میں جابجا دکھائی دیتے ہیں ۔ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"ابن انشا ایک اسے بنجارے کے روپ میں سامنے آتے ہیں جو گردوپیش پر بیگانہ وری سے نظر ڈالتا ہے، لیکن در حقیقت اس کی آنکھ اشیا کے باطن کو ٹٹولتی ہے اور ہمیں ان کے ماضی اور حال سے آشنا کرتی چلی جاتی ہے۔ ابن انشا کی شخصیت میں سرشار کے سیلانی اور میرامن کے درویش دونوں کی خصوصیات جمع ہو گئی تھیں۔"(10)

جمیل الدین عالی نے سفر نامے میں نئے تجربے کیے ہیں۔ انھوں نے سفر نامے میں فلم کی تکنیک کو استعمال کیا، جس نے سفر نامے کو نظر نامہ اور منظر نامہ بنا دیا۔ اُن کے ہاں سب کردار متحرک ہیں۔ جمیل الدین عالی نے اپنے سیاحت کے ذوق اور شوق میں اپنی شخصیت کو گم نہیں ہونے دیا۔ بل کل سفر نامے کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے۔ ہر ملک کی جغرافیائی، تاریخی، سماجی، سیاسی اور تہذیبی معلومات کو قاری تک پہچانے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے سفر نامے کو تفریح نامہ سمجھتے ہوئے، قاری کے سامنے اس کی دلچسپی کی چیزیں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے دلچسپی کے عنصر کو زائل نہیں ہونے دیا۔ جمیل الدین عالی کے اسلوب نے قاری میں بے تکلفی پیدا کی ہے جو سفر نامہ نگار اور قاری کے درمیان رابطہ استوار کرتی ہے۔ عالی کا اسلوب رواں ہے جو قاری کو اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے۔ انھوں نے سفر نامے کو مشہور اشعار سے آراستہ کیا ہے، شعر و سخن کا ذوق قاری میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"آگے چلو میاں برلن دکھاؤ برلن۔ مادام کی کوئی بات سناؤ، کوئی سنسنی خیز چٹپٹی بات یا کسی بات یا کسی قحبہ خانے میں لے چلو یا کوئی غزل سناؤ، کیونکہ

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است

صراحیِٔ مئے ناب و سفینہ غزل است"(11)

جدید سفر نامہ نگاری میں ایک اہم نام مستنصر حسین تارڑ کا ہے جس نے بیگم اختر ریاض الدین کی روایت کو زندہ رکھا اور سفر نامے میں افسانے اور ناول کی آمیزش کرتے ہوئے، نئے اسلوب سے آراستہ کیا۔ ان کے کردار دل

کے مستقل مکین نظر آتے ہیں۔ انھوں نے پر کیف مناظر اور ان دیکھی دنیا کے مشاہدات سے سفر نامے کو ایک ایسی چیز بنا دیا، جو دل میں اُترتی چلی جاتی ہے۔ قاری ان کا سفر نامہ پڑھ کر اپنے آپ کو نئی دنیا کا باسی خیال کرتا ہے۔ تارڑ خارجی اور باطنی حواس کو بیدار کرتے ہوئے، قدم قدم پر جزئیات کو اکٹھا کرتے ہیں، قاری کو اپنے منظر کے سحر میں لے لیتے ہیں۔ مستنصر کا سفر نامہ ایک زندہ حقیقت ہے۔ زندگی میں مسلسل اور متحرک بیانیہ ہے۔ ان کے سفر ناموں میں قدیم اور جدید، جغرافیہ، تاریخ، مزاح، مشاہدہ، سیاحت اور رومانوی کہانیوں کی خوشبو بکھری ہوئی ہے۔ قدیم روایات کے ساتھ ساتھ جدید رنگ کا اسلوب ان کو ایک ماڈرن سیاح بنا دیتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"گاڑی آہستہ ہوتی جا رہی تھی۔ پھر نیلے آسمان کو ایک پلیٹ فارم کی ٹین کی چھت نے چھیدا اور ڈھانپ لیا۔ چھت سے ایک چھوٹا سا بورڈ جھولتا نظر آیا کاروبار۔ قرطبہ! مغیث رومی نے انجیر کے ایک درخت پر چڑھ کر اپنا عمامہ فصیل پر پھینکا اور اس کی مدد سے شہر کے اندر کود گیا۔ پہلے مسلمان فاتح کی حیثیت سے، پھر میں اپنا سوٹ کیس اٹھا کر اسی کے پلیٹ فارم پر اُترا ایک سیاح کے طور پر۔"(12)

مستنصر حسین تارڑ وہ سفر نامہ نگار ہیں، جن کا سب کچھ سفر نامہ ہی ہے۔ وہ ہمیشہ سفر کے عشق میں مبتلا رہتے ہیں۔ "نکلے تری تلاش میں"، "کے ٹو کہانی"، "خانہ بدوش"، "اندلس میں اجنبی"، "جپسی"، "ہنزہ داستان"، "منہ ول کعبے شریف" جیسے لاتعداد سفر نامے ان کے قلم سے نکل چکے ہیں، جو اُن کے حقیقی سیاح ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ نوشی گیلانی ان کے بارے میں لکھتی ہے:

"مستنصر حسین تارڑ ایک سفر شناس انسان ہے۔ اس نے ہمیں کمال خوبصورت دنیا دکھائی ہے۔ اس کا اسلوب زندگی اور اس کی حقیقتوں سے اس

قدر قریب تر ہے کہ ان کے سفر ناموں کے طلسماتی حصار سے نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔"(13)

مستنصر حسین تارڑ نے سفر نامے کو ایک نیا چہرہ دیا ہے جس سے سفر نامہ ایک نئے دور میں داخل ہو گیا۔ تارڑ نے تخیلاتی انداز اور تخلیقی اسلوب کو استعمال کرتے ہوئے، سفر نامے کی نثر کو نظم کے قریب تر کر دیا ہے۔ جس سے نثر گنگناتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

قراۃ العین حیدر کے سفر نامے "جہان دیگر"، "دکھلائے لے جا کے اُسے "مصر کا بازار" اور "لندن لیٹر" جن میں کردار ماضی سے حقیقت کشید کرتے ہیں۔ وہ اپنے سفر ناموں میں کسی بھی لمحے تحرک کو رکنے نہیں دیتیں۔ بحیثیت ناول نگار اور افسانہ نگار وہ ہر جزو کو توجہ سے دیکھتی ہیں اور دانش مندی سے بیان کرتی ہیں۔ انھوں نے سوسائٹی پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے اور جہاں ضروری خیال کرتی ہیں وہاں گھر گرہستی کی کہانیاں بھی بیان کرتی ہیں۔ لکھتی ہیں:

> "مغرب میں رشتہ داروں کی اجنبیت ہم لوگوں کو ہمیشہ متحیر کرتی ہے۔ میں مغربی جرمنی میں ایک ایسے میاں بیوی کو جانتی ہوں، میاں ہندوستانی ہیں اور بیوی جرمن۔ جب کبھی وہ لڑکی اپنی ماں کو اپنے بچے کے چند گھنٹے کی بے بی سیٹنگ کے لیے بلاتی تھی بطور معاوضہ ماں کے لیے قیمتی تحائف رکھ جاتی تھی۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں نانیاں، دادیاں خود تحائف لے کر بے تھکان بے بی سیٹنگ کرتی ہیں۔"(14)

اسلم کمال کا شمار بھی فطری سیاحوں میں ہوتا ہے۔ "لاہور سے چین تک"، "اسلم کمال۔ اوسلو میں"، "گمشدہ" ان کے تین سفر نامے منظرے عام پر آ چکے ہیں، "اسلم کمال۔ اوسلو میں" جدید سفر نامہ کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے۔ یہ سفر نامہ ایک ایسے سیاح کا سفر نامہ ہے جو مصور اور شاعر ہے۔ انھوں نے آنکھوں کے عدسوں کا استعمال کیا ہے اور تصویروں کے عکس آئینہ وجدان پر اتارے ہیں۔ اسلم کمال نے اوسلو میں کافی لمبا قیام کیا، جس کی وجہ سے انھوں نے اپنے تجربات و مشاہدات، تاریخی، جغرافیائی اور قلبی تاثرات کو بہت خوبصورت انداز سے بیان کیا۔ انھوں نے مقامات کا ذکر اس محویت اور استغراق سے کیا ہے، جس میں قاری کھو سا جاتا ہے۔ اُن کے طرز اسلوب میں خیالات اور زبان و بیان کی ہم آہنگی ہے جو قاری کو یکسانیت کا شکار نہیں ہونے دیتی۔ اسلم کمال نے اوسلو شہر کو خوبصورت انداز میں دریافت کیا ہے، ایک ایک گلی، ایک ایک مقام اور ایک ایک شخصیت کا عمیق بیان اس سفر نامے کا خاصا ہے۔ اُن کے سفر نامے میں بے تکلفی

اور شگفتگی کی فضا پائی جاتی ہے۔ مقامات، سیر گاہیں، فیورڈ، مجسمے، سکول، لائبریری، نیشنل گیلری، میوزیم، دریا، جھیلیں، پہاڑ اور برف میں ڈوبا قطب شمالی۔ اسلم کمال نے ہر جزو کو بھرپور انداز سے بیان کیا ہے۔

اسلم کمال نے متنوع اندازِ فکر کو فروغ دیتے ہوئے، مقامات کی رنگا رنگی کو اپنے ہی انداز میں پیش کیا ہے۔ ایک سیاح ہونے کے ناطے انھوں نے ہر اُس چیز کو دیکھا ہے جس سے حسین یادیں وجود پا سکتی ہیں تاکہ اگر یہ داستان کسی کو سنائی جائے تو مافوق الفطرت نہ لگے، بلکہ حقیقت کا رنگ لیے ہوئے ہو اور پڑھنے والے کو وفورِ شوق میں ڈال دے۔

انھوں نے اپنے اندازِ بیان سے یورپی ممالک کے خوب صورت رنگ کو نکھارا ہے۔ اس مہماتی سرگرمی کو تفصیلی سرگزشت بنا کر خاصی بے تکلفی سے سنایا ہے۔ جس سے قاری محظوظ ہوتا ہے اور اس سے مسرت و بہجت حاصل کرتا ہے۔

اسلم کمال نے سفرنامے میں منظر کشی کے کامیاب تجربے کیے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے مشاہدے کی قوت سے احساسات میں رنگ بھرے ہیں اور اپنے تخیل کو کامیاب طریقے سے استعمال کیا ہے۔ یہ اُن کی مشاہداتی قوت کا ہی کمال ہے کہ اُنھوں نے ہر مقام کو "جہانِ دیگر" بنا دیا ہے۔ ان کے خیالات میں حسن، نفاست اور محبت ہے۔ یہ خصائص اُن کے اسلوب سے بھی جھلکتے ہیں۔ اسلم کمال منظر کشی میں تخیل کا اندراج اتنے جاندار طریقے سے کرتے ہیں، کہ قاری حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ منظر نگاری میں تخیل کی چاشنی اور پھر جمالیاتی انداز سے منظر کشی کا بیان اپنی مثال آپ ہے۔ لکھتے ہیں:

> "طلوعِ شمس کی پہلی کرن سے شمالی پہاڑ پر مرتب ہونے والی روشنی اور سائے کے اثرات کی طلسم آفرینی سے دونوں نمایاں چوٹیاں کسی معبد کے خوب صورت گنبدوں کی طرح ایک ارفع اُفق پر نمودار ہو جاتی ہیں۔ یہ روایت اتنی لمحاتی ہوتی ہے کہ غلبۂ جلال میں اہلِ دین و دل لیے، پاؤں باہر نکالتے واپس اندر کھینچ کر درِ معبد باز کر کے دوزانوں بیٹھ کر لرزتے ہونٹوں سے اپنا ورد تیز کر دیتے ہیں۔۔۔۔ اے رب العالمین! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔"(15)

اُنھوں نے اپنے مشاہدات و تجربات اور خیالات و احساسات کے اظہار کے لیے موزوں ترین الفاظ کا انتخاب کیا ہے جو ان کی فنی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دلکشی، رعنائی، تحیر، تفکر، افسانویت، کہانی، فطری ہم آہنگی، ڈرامائیت، بے ساختگی، شگفتگی، معنی و

اختصار، حقیقت کا ادراک، مشاہدے کی گہرائی، شعور، ادبی رکھ رکھاؤ اور دھیمے پن کا احساس ان کی سفر نامہ نگاری کے اہم عناصر ہیں۔ جو اُن کے اسلوب کو ممتاز اور موثر بناتے ہیں۔ جدید سفر نامہ کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"جدید سفر نامے میں لذت اور شیرینی زیادہ ہے، اس نے افسانے کی طرح وسیع حلقہ اثر پیدا کیا ہے۔ انشائی زبان کے استعمال نے اس کی لطف اندوزی میں اضافہ کیا ہے۔ ماضی قریب میں جب افسانہ تجرید اور علامت کے تجربات میں قاری سے اپنا رشتہ قطع کر چکا تو جدید سفر نامے نے افسانے کے خلا کو پُر کیا۔ سفر نامہ نگار نے سفر نامہ لکھ کر سیاحت کے تجربات کی تجدید کی اور قاری کو بھی اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کیا ہے۔"(16)

اسلم کمال کے سفر نامے درج ذیل خصوصیات کے حامل ہیں اور روایت سے جدت کی طرف سفر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

جدید سفر نامہ نگاری میں مختار مسعود، اشفاق احمد، شیخ منظور الٰہی، پرتو روہیلہ، ذوالفقار احمد تابش، بشریٰ رحمان، اشفاق نقوی، عطاء الحق قاسمی، رفیق ڈوگر، حمزہ فاروقی، اختر مومنکا، جمیل زبیری، افضل علوی اور بہت سے نئے لکھنے والے سفر نامہ نگار موجود ہیں، جنہوں نے جدید سفر نامے کو ناول اور افسانے کے قریب کر کے پیش کیا اور دلچسپی کے عنصر کو زائل نہیں ہونے دیا۔ انھوں نے حقیقی سفر کے ساتھ ساتھ تخیل سے فنِ سفر نامہ نگاری کو تخلیقی صلاحیتوں سے ملایا ہے۔ جدید سفر نامہ خارجی احوال و واقعات کے ساتھ ساتھ داخلی اور قلبی واردات و احساسات کا آئینہ بھی ہے۔

جدید سفر نامے میں ادبی لطافت، جاذبیت، حسن بیان، صداقت، علم و دانش اور معنی آفرینی موجود ہے، جس نے سفر نامے کو جزئیات میں تقسیم کر دیا ہے۔ جدید سفر نامے کو ٹکڑوں میں بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ ہر ٹکڑا پورے موضوع کا مزا رکھتا ہے اور قاری کی تسکین کے لیے کافی ہے۔ قاری ایک ٹکڑا پڑھے یا پورا، وہ سفر نامے کا لطف حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جدید سفر نامے نے خارج اور داخل کا احاطہ کرتے ہوئے، اسلوب میں شعری کیفیت پیدا کی ہے، جس سے نثر گنگناتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ سفر نامہ لکھنے والے سفر نامے کو نئے تجربوں سے آراستہ کر رہے ہیں اور سیاحت کے وسیلے سے تعلقات عامہ کی زمین ہموار کر رہے ہیں۔

حوالہ وحواشی

1. القرآن، سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر 1
2. تحسین فراقی، ڈاکٹر، جدید سفر نامہ نگاری ایک جائزہ (مضمون)، مشمولہ: الزبیر سہ ماہی بہاول پور، سفر نامہ نمبر، 1998ء، ص 31
3. محمود نظامی، نظر نامہ، لاہور گوشہ ادب، 1958ء، ص 7
4. ایضاً، ص 125، 112
5. انور سدید، اردو ادب میں سفر نامہ، لاہور مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، 1987ء، ص 119
6. اختر ریاض الدین، سات سمندر پار، لاہور پاکستان رائٹرز سوسائٹی، 1963ء، ص 69
7. ایضاً، ص 134
8. ابن انشا، ابن بطوطہ کے تعاقب میں، لاہور، لاہور اکیڈمی، 1974ء، ص 220
9. ابن انشا، آوارہ گرد کی ڈائری، لاہور لاہور اکیڈمی، 1971ء، ص 149
10. انور سدید، اردو ادب میں سفر نامہ، لاہور مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، 1987ء، ص 653
11. جمیل الدین عالی، تماشا مرے آگے، لاہور غلام علی اینڈ سنز، 1975ء، ص 49
12. مستنصر حسین تارڑ، اندلس میں اجنبی، لاہور التحریر، 1976ء، ص 19
13. نوشی گیلانی، نیلے پانیوں کی کہانی، (مضمون)، مشمولہ: الزبیر سہ ماہی بہاول پور، سفر نامہ نمبر، 1998ء، ص 250
14. قراۃ العین حیدر، جہان دیگر، لاہور مکتبہ اردو ادب، 1974ء، ص 144
15. اسلم کمال، اسلم کمال۔ اوسلو میں، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 1991ء، ص 106
16. انور سدید، اردو ادب میں سفر نامہ، لاہور مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، 1987ء، ص 447